مسعود قمر کی نظم میں وجودی بیگانگی

ڈاکٹر سمیرا اکبر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر رابعہ سرفراز، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر عبدالعزیز ملک، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

ABSTRACT:

Masood Qamar is poet of modern Urdu poem. Two anthologies of his poems are published. His poetry influenced by existentialism. Existentialism a philosophical theory or approach which emphasizes the existence of the individual person as a free and responsible agent, determining their own development through acts of ones will. In the modern industrial age man has experienced himself as an alien. He has become not only alien to society but also estranged from himself. This attitude gives birth to isolation, Insane, suicide, death and abstraction. All these phenomena's are prominent features of Masood Qamar poetry. In this article ,effort is made to discover the above mentioned features in his poetry.

کلیدی الفاظ: اردو نظم، وجودیت، بیگانگی، تجرید، صنعتی دور، تنہائی، خودکشی، مسعود قمر

Key words: Urdu Poem, Existentialism, Alienation, Absurdity, Industrial age, Lonliness, Suicide, Masood Qamar

اُردو شاعری میں وجودی طرز احساس کے اثرات پہلی بار غالب کے ہاں نظر آتے ہیں لیکن اردو نظم میں یہ میلان ۱۹۶۰ء کے بعد واضح ہو کر سامنے آیا۔ وجودیت فلسفیانہ سطح پر انسانی وجود کے سوال کا جواب تلاش کرنے کی جستجو ہے۔اس نظریہ میں انسان کا انفرادی وجود اہمیت رکھتا ہے۔وجودی مفکرین انسانی وجود کی اہمیت و عظمت کا احساس جگانے کے لیے فرد کی آزادی کو اولین شرط قرار دیتے ہیں۔یوں ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔بقول فردوس انور قاضی:

> ''وجودیت کے فلسفہ نے فرد کو اس انداز سے اہمیت دی کہ وہ نہ صرف اپنے گم شدہ وجود کو تلاش کر سکتا ہے، بلکہ اس کا داخلی رنگ خارجی حقیقت کو بدلنے کی قوت بھی رکھتا ہے۔اس طرح

وجودیت کے فلسفے نے پہلے اپنے وجود کی تلاش اور بعد میں اس کی مخفی قوتوں کے ذریعہ خارجی عوامل کو تبدیل کرنے کا احساس اُجاگر کیا۔"(۱)

انتخاب کی اس آزادی اور ذمہ داری سے ہی فرد ذہنی اضطراب کا شکار ہو گیا ہے۔اس آزادی انتخاب کے باوجود فرد اپنے انجام کو نہیں جانتا۔اس کا عمل زمان و مکان کے دائرے میں مقید ہے۔اسے اپنے عمل کے نتیجے میں تباہی اور موت کا سامنا ہے۔موت کی المناکی وجودیت کا ایک نمایاں موضوع بلکہ وجودیت کے عناصر ترکیبی میں سے ہے۔مسعود قمر(۲) نظم کے شاعر ہیں۔ان کی نظم فکری اعتبار سے وجودی فلسفہ سے متاثر نظر آتی ہے۔وہ انسان کی تنہائی واکیلے پن اور بیگانگی و مغائرت کے احساس کو تخلیقی مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں جس سے ان کے داخلی اور خارجی صورتحال کے مابین مکالمے کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔یہ رویہ تنہائی، لایعنیت،خوف اور مغائرت کو جنم دیتا ہے۔ان کی نظم نگاری میں موت ایک نمایاں موضوع ہے۔ان کے نزدیک موت زندگی کا لازمی اور جبری پہلو ہے۔ نظم "موت کی پیدائش" میں موت کا ذکر کچھ یوں کرتے ہیں۔

"ہر پیدائش
موت اور محبت سے
ملاقات کرتی ہے
کبھی
موت اسے زندگی دیتی ہے
کبھی
محبت اسے مار دیتی ہے"(۳)

نظم "میری پیدائش سے پہلے ہی" میں تقدیر کے جبر اور موت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"میری
پیدائش سے پہلے ہی
میری
موت کے احکامات لکھ دیے گئے"(۴)

موت کے بارے میں ایک اور نظم ''چٹخورے باز'' میں ایک منفرد خیال ملاحظہ کیجیے:

پیدائش
صرف موت کا ذائقہ چکھنے کے لیے ایجاد ہوئی
ہم چٹخورے باز ہو گئے
اور پیدا ہونا بھول گئے
ہمیں موت کا اتنا چٹخارہ لگ گیا
کہ
ہم پیدا ہوئے بغیر ہی مرنے لگے (۵)

ان کے ہاں موت اور زندگی میں کشمکش نظر آتی ہے۔ اس کشمکش میں وہ زندگی جیت لیتے ہیں اور موت ہار جاتی ہے۔ بلکہ وہ موت کو دفن کر آتے ہیں:

''میری۔۔۔۔۔پیدائش
قبر میں ہوئی
میں
چھلانگ لگا کر باہر زندگی
سے ملا ہوں
اور
قبر کو ہمیش کے لیے دفن کر آیا ہوں
اُس پہ رکھے پتھر پہ
لکھ آیا ہوں
یہاں موت دفن ہے'' (۶)

اسی طرح موجودہ دور میں سائنس کی بے پناہ ترقی کے باعث مشینی تہذیب پیدا ہو گئی ہے۔ جس سے ایک طرف سہولیات اور تعیشات کی بھرمار تو ہوئی لیکن دوسری طرف انسانی بقا اور تحفظ کا سوال بھی کھڑا ہو گیا ہے۔ اس تہذیب کی بڑی

خامی یہ ہے کہ انسان مشینوں کا غلام بن گیا ہے۔انسان دوسرے انسان کے لیے اجنبی بن گیا ہے۔انسانی رشتوں کی کڑیاں منتشر ہو گئی ہیں۔اسی صورتحال کو بیگانگی کہتے ہیں۔

Eric Frommاپنی کتاب The Sane Society میں بیگانگی(Alienation) کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "By alienation is meant a mode of experience in which the person experiences himself as an alien. He has become, one might say, estranged from himself"(۷)

بیگانگی کی اصطلاح موجودہ ترقی یافتہ دور کی دین ہے جس میں مشینوں کی حکومت نے اور سائنس کی ترقی کی وجہ سے ملنی والی آسائشوں نے انسانوں کو ایک دوسرے سے بہت دُور کر دیا ہے۔انسان ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہوئے بھی دور ہیں اور ہجوم میں بھی تنہا۔زندگی کی دوڑ میں انسان کے پاس اپنے لیے وقت ہی نہیں۔ نظم ''خوابوں سے خالی لحاف''میں اس خیال کو کچھ یوں نظم کیا گیا ہے:

''مراتھن میں دوڑتے،دوڑتے
آدمی پب میں
بیئر پینے کیوں نہیں بیٹھ سکتا۔''(۸)

اس جدید دور میں صارفیت کا کلچر عروج ہے۔ ہر شے کو کاروبار کی نظر سے دیکھا جاتا ہے جس میں احساس اور انسانیت جیسی اقدار ناپید ہو رہی ہیں۔ مسعود قمر کا تخلیقی شعور عصرِ حاضر سے ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ نظم ''چھاتیوں سے محروم مائیں''میں صارفیت کا یہ کلچر نمایاں نظر آتا ہے:

جہاز چیختے ہیں
اور
دنیا کانوں پر ایم پی تھری لگائے محو رقص ہیں
کوڑا کرکٹ پر گدھ بچوں کو نوچ رہے ہیں
مگر

کمپنیاں صاف ستھرے گوشت کو
پیکٹوں میں محفوظ کرنے کے نئے نئے
طریقے سوچ رہی ہیں(۹)

صنعتی ترقی سے جنم لینے والے مشینی معاشرے میں فرد کے جذبات واحساسات بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں۔انسان خود اس مشین کا ایک پرزہ بن کر رہ گیا ہے جس سے پیداوار میں اضافہ مقصود ہے۔اس جدید دور پر طنز کرتے ہوئے مسعود قمر نظم ''خوبصورت شہزادیو'' میں کہتے ہیں:

''اب جو دن رات
اپنے جسموں پر
کریڈٹ کارڈ کے
پلاسٹک والے
لباس پہنے پھرتے رہتے ہیں
جو دن رات
غمی کو ترستے رہتے ہیں
کہ
وہ جب چاہیں
خوشیاں A.T.M مشینوں سے
نکال سکتے ہیں''(۱۰)

ڈاکٹر سلیم اختر ''تنقیدی اصطلاحات توضیحی لغت'' میں بیگانگی کے بارے میں کچھ یوں لکھتے ہیں:

''معاشرہ سے مخاصمانہ تعلقات کی بنا پر بعض اوقات فرد سماجی قیود اور معاشرتی ''ٹیبوز'' سے فرار کے اپنے باطن میں پناہ گزین ہو جاتا ہے۔ اس کو وجودی فلسفہ کی اصطلاح میں "Alienation" اور "Estrangement" کہتے ہیں۔''(۱۱)

یہ صورتحال تنہائی کو جنم دیتی ہے۔اس دور کا انسان تمام نام نہاد خوشیوں کے باوجود تنہائی کا شکار ہے۔ تنہائی کا یہ احساس مسعود قمر کے ہاں بھی بہت گہرا ہے۔ نظم ''نیند کی توہین'' میں لکھتے ہیں:

''میرا
کوئی خواب
کسی آنکھ میں نہیں آیا
میری
آنکھ بھی اس خواب سے خالی رہی'' (۱۲)

تنہائی کی ایک وجہ وطن سے دوری اور یورپ کا وہ سسٹم بھی ہے جہاں لوگوں کے پاس ایک دوسرے کے پاس بیٹھنے اور گفتگو کرنے کا وقت نہیں ہے۔ نظم ''اندر بیٹھا نام'' میں یہ تنہائی مزید گہری ہو گئی ہے۔ جہاں وہ لوگوں کے ہجوم میں رہتے ہوئے تنہا ہیں:

''اندر آجاؤ
میں تمھیں اپنا نام
نہیں بتا سکتا
مجھے
آج تک کسی نے نہیں پکارا
میں
لوگوں کے ساتھ رہتا ہوں'' (۱۳)

اور اس تنہائی سے نجات کا واحد راستہ انہیں موت کی صورت میں نظر آتا ہے۔ لیکن موت تو بذات خود تنہائی کا دوسرا نام ہے ایسی تنہائی جس سے نجات کی کوئی بھی صورت سجھائی نہیں دیتی۔ نظم ''موت کی تنہائی'':

موت کے بعد زندہ رہنا
موت کی
اذیت ناک تنہائی ہے

موت
زندگی کی تنہائی سے
نجات دلاتی ہے
مگر موت کی تنہائی سے
نجات کون دلائے گا(۱۴)

کبھی کبھی ان کے ہاں تنہائی اور دیگر غموں کا واحد حل موت اداسی کی بجائے خوشی کی کیفیت پیدا کرتی ہے اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ انہیں زندگی سے محبت ہے یا موت سے۔ نظم ''جڑواں بہنوں کی پیدائش'' میں لکھتے ہیں:

''مکمل مرنے سے ہی
خوشی حاصل ہو سکتی ہے
مرنے سے پہلے
مر کر ہی
اُداسی سے نجات حاصل
کی جا سکتی ہے''(۱۵)

ڈاکٹر محمد علی صدیقی مسعود قمر کے اس رجحان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''شاید یہ پنجاب کی لوک داستانوں میں ''موت کی دلکشی'' کے تصور کے ساتھ ہم خیالی ہے اور وہ یوں کہ عاشق اور محبوب کے وصال کا دوسرا نام موت ہی ہے۔ مسعود قمر کا خمیر پنجاب کے دریاؤں سے اُٹھا ہے اور پنجاب کے ہر دریا کی روانی میں کسی نہ کسی سوہنی مہینوال کی داستان کی ترنگ ہے۔ شاید اس لیے میں مسعود قمر کے ہاں ''موت'' کو عُرس (وصال) کے ہم معنی سمجھتا ہوں جس میں محبوب یا محبوبہ کے مزار سے جلوس میں اُٹھنے والی ''شادی کی چادر'' پر دھمال ہوتا ہے۔''(۱۶)

موت سے گلے ملنے کے لیے خودکشی کرنے کی خواہش بھی ان کے ہاں نظر آتی ہے۔ نظم ''پہلی منزل سے خودکشی کرنا بہت مشکل ہے'' میں زندگی اور موت کی کشمکش کو بیان کیا گیا ہے۔

"ان دنوں میرے پاس
خود کشی کرنے کے
دلائل کا انبار لگ گیا تھا
کوئی اک دلیل بھی کمزور نہیں تھی
خود کشی کرنے کے ہزارہا طریقے ہیں
زندہ رہنا خود کشی کا بہترین طریقہ ہے"(۱۷)

یہ سوچنے کے بعد وہ اپنا فلیٹ پندرھویں منزل سے پہلی منزل پر لے آتے ہیں۔ گھر میں پڑی رسیاں جلا دیتے ہیں۔ ریل کی پٹڑی اور سمندر کے کنارے سیر کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ جینا چاہتے ہیں اور وقت گزاری کے لیے کافکا کا "فنکار" پڑھتے ہیں۔ ٹالسٹائی کا "پیالہ" پڑھتے ہیں۔ جیک لنڈن کا "الائو" اور الڈس ہکسلے کا "ماریا" پڑھتے ہیں۔ اور دوبارہ اپنا فلیٹ پہلی منزل سے پندرھویں منزل پر لے جاتے ہیں کیونکہ پہلے منزل سے خود کشی کرنا بہت مشکل ہے۔ ان نظم سے پتا چلتا ہے کہ خود کشی سے محبت اپنے پسندیدہ تخلیق کاروں کی وجہ سے بھی ہے اور اس کی ایک وجہ دوبارہ زندگی کا حصول بھی ہے۔ نظم "موت کی اکتاہٹ":

مجھے
پیدائش کے لیے
خود کشی کرنی پڑے گی
میں
موت سے تنگ آگیا ہوں(۱۸)

وجود کی تلاش یا تلاشِ ذات بھی وجودیت کا ایک نمایاں موضوع ہے۔ بقول ممتاز احمد:

"گذشتہ کئی صدیوں کے یورپی فلسفے کا غالب حصہ مجرد تصورات اور نظاموں سے بحث کرتا رہا اور فرد مسلسل نظر انداز ہوتا رہا۔ پھر یوں ہوا کہ انسان معروضی حقائق، سائنسی ترقیوں اور عقلیت پرستی سے بھی مطمئن نہ ہو سکا اور خود کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔"(۱۹)

وجود کی تلاش اور اثباتِ ذات نظم "اندر بیٹھا ہوا نام" میں یوں نظم ہوئیں ہیں:

"جائو
باہر سے میرا نام لے آئو
مگر۔۔۔۔۔ ٹھہرو
شاید میرا نام باہر نہ ہو
شاید میرا نام اندر ہو
شاید میرا نام کہیں نہ ہو
مگر
اب میں اُسے اندر پکاروں گا
یا وہ مجھے اندر پکارے گا" (۲۰)

انسانی وجود کی اہمیت اور اس اس وجود کے معنوں کی تلاش وجودیت کا جوہر ہے۔ تلاش ذات کا یہ سفر مسعود قمر کی کئی نظموں میں دکھائی دیتا ہے۔ اسی عنوان کی ایک نظم کچھ یوں ہے:

"تلاشِ ذات"
سارے رستے
شہر کی طرف جاتے ہیں
نیکی اور بدی کی طرف
مجھے تو خود تک پہنچنا ہے
میں خود سے کیسے باہر نکلوں
خود تک پہنچوں
باہر تو سارے رستے
نیکی اور بدی کی طرف جاتے ہیں۔ (۲۱)

مسعود قمر کی نظم جدید مشینی دور اور اس سے پیدا ہونے والی صورتحال کی نمائندہ نظم ہے۔ ان کے تخلیقی شعور نے نہ صرف عصر حاضر کو اپنی نظموں میں سمویا بلکہ ایک خاص انداز میں اس نئے اور بدلے ہوئے زمانے پر طنز کرتے ہوئے

اپنارد عمل بھی ریکارڈ کرایاہے۔ ان کے دو انفرادی نظمیہ مجموعوں ''سوکھی گھاس کا نظم پڑھنے سے انکار'' اور ''بارش بھرا تھیلا'' کی نظموں ''میری پیدائش سے پہلے ہی''، ''قبر کی موت''، ''موت کی پیدائش''، ''اندر بیٹھا ہوا نام''، ''آنکھ ڈھونڈتے خواب''، ''خوابوں سے خالی لحاف''، ''خامشی کو شور کی قبر میں کس نے دفنایا''، ''گھر کے بستر خوابوں سے خالی'' اور ''پہلی منزل سے خودکشی کرنا بہت مشکل ہے''، ''چھاتیوں سے محروم مائیں''، ''تنہائی کا قحط''، ''اکلاپے سے محروم شخص کا اوپیرا''، ''موت کی تنہائی''، ''موت کی اکتاہٹ'' میں وجودی بیگانگی اور اس کے متعلقات (تنہائی، خوف، بے حسی، جبر و قدر، خودکشی، موت، لایعنیت، تلاش ذات، مغائرت) نمایاں رجحان کے طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ فردوس انور قاضی، ڈاکٹر، ۱۹۹۹ء، ''اُردو افسانہ نگاری کے رُجحانات''، لاہور: مکتبہ عالیہ، ص ۶۲

۲۔ مسعود قمر سویڈن میں مقیم اردو نظم کے شاعر ہیں۔ ان کی نظموں کا پہلا مجموعہ ''سوکھی گھاس کا نظم پڑھنے سے انکار'' ۲۰۱۱ء میں منظر عام پر آیا۔ ان کی نظموں کے دو مجموعے ''قہقہہ انسان نے ایجاد کیا'' (۲۰۱۲ء) اور ''کاغذ پر بنی دھوپ'' (۲۰۱۵ء) میں شائع ہوئیں۔ یہ دونوں مجموعے اس لحاظ سے منفرد ہیں کہ ان کی نظمیں کسی ایک شاعر کی تخلیق نہیں بلکہ یہ تمام نظمیں تین شاعروں مسعود قمر، حسین عابد اور ڈاکٹر جاوید انور کی مشترکہ تخلیقی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ ان کی نظموں کا تازہ مجموعہ ''بارش بھرا تھیلا'' کے نام سے ۲۰۲۰ میں شائع ہوا۔

۳۔ مسعود قمر، ۲۰۱۱ء، ''سوکھی گھاس کا نظم پڑھنے سے انکار''، لاہور، دستاویز مطبوعات، ص ۲۶

۴۔ ایضاً، ص ۱۷

۵۔ مسعود قمر، ۲۰۲۰، ''بارش بھرا تھیلا''، لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ص ۷۹

۶۔ مسعود قمر، سوکھی گھاس کا نظم پڑھنے سے انکار، ص ۱۹

7. Fromm, Erich. "The sane society , London and New york: Routledge,1955, P 117

۸۔ مسعود قمر، سوکھی گھاس کا نظم پڑھنے سے انکار، ص ۸۷

۹۔ مسعود قمر، بارش بھرا تھیلا، ص ۵۸

۱۰۔ ایضاً، ص ۹۲۔۹۱

۱۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ۲۰۱۱، تنقیدی اصطلاحات توضیحی لغات, لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ص ۶۰

۱۲۔ مسعود قمر، سوکھی گھاس کا نظم پڑھنے سے انکار، ص ۳۴

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۰

۱۴۔ مسعود قمر، بارش بھرا تھیلا، ص ۱۲۹

۱۵۔ مسعود قمر، سوکھی گھاس کا نظم پڑھنے سے انکار، ص ۲۹

۱۶۔ محمد علی صدیقی، مسعود قمر۔۔۔ زندہ نظموں کا شاعر، مشمولہ مسعود قمر، سوکھی گھاس کا نظم پڑھنے سے انکار، ص ۱۴

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۱۰

۱۸۔ مسعود قمر، بارش بھرا تھیلا، ص ۲۳۹

۱۹۔ ممتاز احمد، وجودیت۔ منظر و پس منظر، مشمولہ ''فنون''، لاہور، جولائی اگست ۱۹۶۶ء، جلد ۳، شمارہ ۳، ۴، ص ۸۸

۲۰۔ مسعود قمر، سوکھی گھاس کا نظم پڑھنے سے انکار، ص ۴۱

۲۱۔ مسعود قمر، بارش بھرا تھیلا، ص ۱۰۲